OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 www.arjicc.com ISSN (PRINT): 2710-0227
DOI: https://doi.org/10.53575/arjicc.v3.01(22)u19.242-260

کلام اقبال اور اسلامی فکر کی تشکیل جدید

Iqbal Poetry & Modernization of Islamic Thought

Shazia Taj
Ph.D. Urdu Scholar, GCWUF.

Dr. Sadaf Naqvi
Chairperson Urdu Department, Govt. College Women University Faisalabad.

Received on: 24-01-2022 Accepted on: 27-02-2022

Abstract

Freedom of thought is an essence. The people of nation who have freedom of thought play an active role in the development of their society. Iqbal's poetry & political thought are intertwined. According to Iqbal , the principle of Islam is "Ijtehad ". It gives the thinkers the opportunity to solve new problems & interpret the principles of " Sharia" in different ways. Iqbal is against the politics devoid of religion. According to Iqbal, the state is the name of development of structure & organisation of collective life. The West is devoid of the insight of scientific observations. Iqbal emphasises the importance of juxtaposing insight with knowledge. Iqbal emphasises the construction of new science of knowledge, new interpretation of Islamic jurisprudence & reconstruction of Islamic life. According to Iqbal , education is the only means to achieve these goals.

Keywords: Poetry, Persian, Urdu, Islamic life, Freedom,Emphasises,Faith.

آزادی فکر ایک جوہر ہے اور اس جوہر کی نمود تاریخ ساز ہے۔ مگر اس کی نشو و نما کے لیے خاص ماحول کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کا پہلا قدم آزادی فکر ہے۔ انفرادیت کی نشو و نما انسان کے خفتہ جوہر کو تخلیق کا حسن بخشتی ہے اور تخلیق وہ صفت ہے جو انسان اور اس کے خالق و مالک کی مشترک قدر ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت ہے کہ وہ انفرادی طاقت و قوت کا مالک ہے۔ تخلیق کی بہتر صلاحیتوں کے ساتھ وہ تخلیقی امر پر مائل ہوتا ہے۔

اقبال نے لکھا ہے:

"For the freedom to choose good involves also the freedom to choose what is opposite of good. That God taken risk shows his immense faith in man. It is for man to justify this faith."(1)

آزادی فکر سے ایک اور صفت بھی نمو پاتی اور انسان کے شعور میں پروان چڑھتی ہے وہ اعلیٰ ترین صفت تصور کرنے کی صلاحیت اور خوبی ہے۔ تصورات ہی تخلیق کی بنیاد بنتے ہیں۔ اسی کی بدولت علم کی خواہش اور حصول کی جستجو پروان چڑھتی ہے۔ علم کا حصول انسان کی خواہش پر منحصر

ہے کہ وہ کہاں تک علم حاصل کرنے کے لیے محنت و مشقت کرنے کا عزم اور حوصلہ رکھتا ہے۔ یہی حوصلہ انسان کو تفکر کے اعلیٰ درجے پر پہنچاتا ہے۔

اس حوالے سے اقبال کا نظریہ اور فکر صادق آتے ہیں:

ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوق انقلاب
ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب
ندرت فکر و عمل سے معجزات زندگی
ندرت فکر و عمل سے سنگ خارہ لعل ناب (2)

آزادی فکر انفرادی اور اخلاقی تعمیر کی ضمانت ہے۔ یہ نیکی اور جبر سے پیدا ہونے والی قدرِ خاص نہیں بلکہ فرد کی آزادانہ طور پر اخلاقی اصولوں کی اطاعت کا نام ہے جو انفرادیت کے جوہر کی آزادانہ رفاقت اور محبت سے جنم لیتی ہے۔

اقبال نے اسی نکتے کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

تسلیم کی خو گر ہے جو چیز ہے دنیا میں
انسان کی ہر قوت سر گرم تقاضا ہے
اس ذرہ کو رہتی ہے وسعت کی ہوس ہر دم
یہ ذرہ نہیں، شاید سمٹا ہوا صحرا ہے
چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی
یہ ہستیِ دانا ہے بینا ہے توانا ہے (۳)

اگر کسی فرد کی تمام حرکات و سکنات، احساسات و جذبات کو جبر کے تحت محدود اور پابند کر دیا جائے اور اس کا کوئی عمل اس کی مرضی کے مطابق نہ ہو۔ اس کے اچھے عمل کو بھی نیکی نہیں کہا جا سکتا اور اس کا کوئی عمل بھی معاشرے کے لیے خیر ثابت نہیں ہو سکتا۔ نیکی ایسا ہی عمل ہے جو فرد اپنی منشاء کے مطابق اپنی رضا سے کرتا ہے۔ یہ اس کے خلوص اور صداقت پر مشتمل ہوتا ہے۔

اقبال نے لکھا ہے:

آزادی افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ (4)

ایک مہذب، باوقار، کامیاب اور ترقی یافتہ معاشرے کی پہچان یہ ہے افراد خوش اخلاق سچے اور دیانت دار ہوں تو ایسے معاشرے کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

عصرِ حاضر میں مادی ترقی، تکنیکی قوت اور طرز رہائش کے پر شان و پر شکوہ طریقے انسان کی ترقی کا معیار سمجھے جارہے ہیں۔ چین جیسا ملک ترقی یافتہ ممالک کی صف میں سر فہرست ہے۔ جسے انتہائی قدر و منزلت حاصل ہو چکی ہے۔ تاہم وہاں نہ شان و شوکت ہے نہ نمود و نمائش کا بکھیڑا بلکہ آزادی کی نصف صدی کے بعد ٹیکنالوجی میں روز افزوں ترقی کے باوجود اسراف سے پرہیز اس قوم کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ اس سے زیادہ قابل تعریف و تقلید بااخلاق اور اعلیٰ اقدار پر مشتمل چینی معاشرہ ہے۔ جہاں جھوٹ دھوکہ سے پرہیز واجب ہے۔ ہر شخص اپنے فرض کو پورا کرنے کی کوشش میں مگن ہے۔ یہاں تک کہ بین الاقوامی سطح پر چینی قوم از راہ رواداری بھی کذب گوئی نہیں کرتی۔ غیرت، خود اعتمادی اور تعاون جیسی صفات ان کا خاصا ہیں۔

آج مشرقی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ امیر ہو کہ غریب سب میں صداقت، فرض شناسی، خود اعتمادی، جیسی صفات نایاب ہیں۔

آج اقوام مشرق آزادیِ فکر اور تجدید علم کی صفات سے عاری ہو چکی ہیں اور تقلید میں پناہ گزیں ہیں۔ فکری آزادی سے مقتدر طبقہ خوفزدہ نظر آتا ہے۔

اقبال نے اس کا درست حل تجویز فرمایا ہے:

جہانِ تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا(5)

کئی سال بیشتر ہی اقبال کو اس صورتِ حال کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اقبال نے اسی حوالے سے لکھا ہے:

"اگر اسلام کی نشاۃ ثانیہ ایک حقیقت ہے اور میرا ایمان ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے تو ہمیں بھی ایک نہ ایک دن ترکوں کی طرح اپنے فکری ورثے کی از سر نو قدر متعین کرنا ہو گی اور اگر ہم اسلام کی عظیم فکر میں طبع زاد نیا اضافہ نہیں کر سکتے تو ہمیں صحت مند قدامت پسندانہ تنقید کے ذریعے کم از کم اتنی تو خدمت تو کرنی چاہیے کہ ہم اسلامی دنیا میں تیزی سے پھیلتی ہوئی آزادی پسندی (لبرل ازم) کی تحریک کو روک سکیں۔"(6)

فکری آزادی سے مقتدر طبقہ اس خوف کا شکار ہے کہ کہیں ان کی انفرادی حیثیت کو زک پہنچانے والے ان سے مقابلہ پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ حالانکہ اقوام کی نجات ذہنی اور فکری قوتوں کو فروغ دینے میں ہے۔ لہٰذا تعلیم تحقیق اور تخلیق نئے دور کا پیغام ہے۔

بقول اقبال:

مشرق را از خود برو تقلید غرب
باید ایں اقوام را تنقید غرب

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقص دختران بے حجاب
قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است (7)

فکر اقبال سے ثبوت ملتا ہے کہ تعلیم تحقیق اور تخلیق سے مغرب نے ترقی کی ہے۔ انتھک کوشش، فکری آزادی کے طفیل اختراع اور ایجادات کا ظہور ممکن ہوا اور ان کی انفرادی آزادی قومی آزادی کا حصہ بن گئی۔

آزاد قوموں کی تقدیر آزاد افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ جن کی فکری قوت و طاقت زمان و مکاں کی قوتوں کو تسخیر کر سکتی ہے۔

بقول اقبال:

دم بدم نوآفرینی کار حُر
نغمہ پیہم تازہ ریزد تار حُر
فطر تش زحمت کش تکرار نیست
جادۂ او حلقۂ پر کار نیست
عبد را ایام زنجیر است و بس
بر لب او حرف تقدیر است و بس
ہمت حُر با قضا گردد مشیر
حادثات از دست او صورت پذیر (8)

آزادی فکر ایک جوہر ہے۔ جس قوم کے افراد کو آزادی فکر میسر ہو وہ اپنے معاشرے کی ترقی کے لیے فعال کردار ادا کرتے ہیں۔ گرد و پیش کی قوتوں میں کشش محسوس کرتے ہیں۔ ان کو اپنی ضرورت کے مطابق ڈھالنے کی قوت بھی رکھتے ہیں۔ وہ قوتیں اس قوم کے لیے سد راہ بن جاتی ہیں تو وہ اپنے باطن کی گہرائیوں میں بہت وسیع دنیا تعمیر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جس میں وہ لامحدود مسرت اور روحانی فیض محسوس کرتے ہیں۔ افراد معاشرہ کائناتی قوتوں کے ساتھ مطابقت پیدا کر کے ان کو مطیع کر لیتے ہیں اور بنی نوع انسان کی ترقی کا زینہ ثابت ہوتے ہیں۔

اقبال نے سیاست کے موضوع پر باقاعدہ کوئی دستاویز نہیں چھوڑی مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی تخلیقات علم سیاسیات کے حقائق سے لبریز ہیں۔ ان کی شاعری ایک طرف جمالیاتی لذت کا منبع ہے تو دوسری طرف اخلاقی و سیاسی مفاہیم پر مبنی ہے۔ در حقیقت اقبال کی شاعری اور سیاسی فکر باہم آمیختہ ہیں۔ سیاست سے براہ راست متعلق نہ ہونے پر بھی سیاسیات سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔

اقبال نے مشرق و مغرب کا انقلاب دیکھا۔ مشرق کی جہاں گیریاں اور جہان ستانیاں ختم ہو چکی تھیں اور مغرب کی سیاسی فتح مندی اپنا نقش قائم

کر چکی تھی۔ مشرقی اقوام کی بے چارگی ودرماندگی کے احساس نے رفتہ رفتہ اقبال کو نئے سیاسی عقائد کی تعمیر و تشکیل پر مائل کیا۔ مشرقی و مغربی نابغہ ہائے روزگار شخصیات کے افکار کے آزادانہ مقابلہ و موازنہ، امتزاج اختلاط کا نیا فلسفہ سیاست تھا جو اقبال کی فکر کے ساتھ مخصوص تھا۔ یہ افلاطون، ارسطو، میثا فلی، ہابز، کانٹ اور روسو وغیرہ کے تصورات پر مبنی تھا بلکہ اس کی تعمیر و ترتیب میں قرآن و حدیث غزالی ورازی ماوری و نظام الملک، ابن حزم اور ابن خلدون کے خیالات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

اقبال ایک وقت تک ہندوستانیت کے جذبہ سے سرشار تھے۔ جس سے متاثر ہو کر انہوں نے تصویر درد، ترانہ ہندی اور نیا شوالہ جیسی قومیت کے جذبات سے لبریز نظمیں پیش کیں۔

بعد ازاں خیالات کی تبدیلی نے انہیں ''بلاد اسلامیہ''، ''ترانہ ملی''، ''شکوہ''، جوابِ شکوہ'' لکھنے پر مائل کیا۔اقبال کے سیاسی تفکر کی پختگی میں ان تجربات و مشاہدات کا بھی کثیر حصہ شامل ہے جو انہیں اوضاع واطوار اور سیاست عالم کے عمیق مطالعہ سے حاصل ہوئی۔

اس حوالے سے اقبال نے لکھا ہے:

''میرا جو فلسفہ ہے وہ قدیم مسلمان صوفیاء و حکماہی کی تعلیمات کا تکملہ ہے۔ بلکہ بالفاظ صحیح تر یوں کہنا چاہیے کہ جدید تجربات کی روشنی میں قدیم متن کی تفسیر ہے۔''(9)

اقبال کے سیاسی پیغام کی بنیادیں روحانی اور اخلاقی ہیں۔ جن میں مشرقی ممالک کے حالیہ مسائل کا حل مضمر ہے۔اقبال کی تعلیم کی صورت میں مشرق سے ایک گونج سنائی دیتی ہے جو فطرت انسانی کے عمیق اور پختہ ادراک پر مبنی ہے اور مشرقی زندگی کے احساس سے بہرہ ور ہے۔ جس سے شعور میں انقلاب پیدا ہونا یقینی امر ہے۔

اقبال کا سیاسی تخیل یہ ہے کہ وہ ایک زندہ اور ہمہ وجوہ کامل سوسائٹی کا خواب دیکھتا ہے۔ جس کے سب افراد مافوق الانسان ہوں۔ جن میں خدائے لم یزل کی صفات موجود ہوں۔ یہ معاشرہ مساوات، اخوت اور یک جہتی کا زندہ نمونہ ہوں اور اس میں مادیت اور عقلیت سے پیدا شدہ خرابیاں مفقود ہوں۔اقبال نے اسلامی معاشرتی قانون کی حوصلہ افزائی کی جس کے اہم موضوعات میں توحید و رسالت سرفہرست ہیں۔

اقبال نے لکھا ہے:

جوہر ما با مقامے بستہ نیست
بادہ تندش بجامے بستہ نیست
ہندی و چینی سفال جام ماست
رومی و شامی گل اندام ماست
قلب ما از ہند و روم و شام نیست
مرز و بوم او بجز اسلام نیست

عقدہ قومیت مسلم کشود
از وطن آقائی ما ہجرت نمود
خلتمش یک ملت گیتی نورد
بر اساس کلمہ تعمیر کرد
تاز بخشش ہائے آں سلطان دیں
مسجد ما شد ہمہ روے زمیں
صورت ماہی بہ بحر آباد شو
یعنی از قید مقام آزاد شو(10)

اقبال نے اپنے خطبات میں اجتہاد پر تفصیلی پیرایہ میں اپنی فکر کو پیش کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک اسلام کا اصول "اجتہاد" ہے جو مفکرین کو نئے مسائل کے حل اور مختلف معاملات میں اصول شریعت کی ربّانی تعبیر کا اختیار دیتا ہے۔ حقیقت میں "اسلام" کائنات کے ضمیر میں ہنوز ایک تخیل کا درجہ رکھتا ہے اور فطرت کی قوت اپنے عمل اور ردِ عمل سے اس تخیل کو وجود کی شکل دیتی ہے۔

اقبال کے پیش کردہ "سیاسی مسائل کے حل" کے حوالے سے اقبال ایک کامیاب مثالی معاشرے کے لیے مثالی افراد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جو سخت کوشی اور تحمل و برداشت کے عادی ہوں۔ خودی کے تسلسل اور بقاء کے لیے مقاصد نصب العین ہی زندگی کی جستجو اور عمل مسلسل میں پوشیدہ ہیں۔ آرزو مقاصد کے حصول کا جنون زندگی کو پختہ تر کرنے والے عناصر ہیں۔

دین اور سیاست کے حوالے سے اقبال نے ہمیشہ لادین سیاست کی مخالفت کی ہے۔ مذہب اور حکومت کی مثال "جسم اور روح" کی سی ہے۔ جس کا ربط باہمی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ جن کا ایک دوسرے سے قطع تعلق کرنا موت ہے۔ دین اور سیاست ایک ہی وحدت کے اجزائے لاینفک ہیں۔

تن و جاں را دو تا گفتن کلام است
تن و جاں را دو تا دیدن حرام است
بدن را تا فرنگ از جاں جدا دید
نگاہش ملک و دیں را ہم دو تا دید
کلیسا سبحۂ پطرس شمارد
کہ او با حاکمی کارے ندارد
خرد را با دل خود ہم سفر کن

یکی بر ملت ترکاں نظر کن

بہ تقلید فرنگ از خود رمیدند

میاں ملک و دیں ربطے ندیدند(11)

''بالِ جبریل''میں ''دین و سیاست'' کے عنوان سے قطعہ لکھا ہے جو دین اور حکومت کے نازک اور ضروری تعلق کے متعلق بصیرت افروز نمونہ ہے۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی

ہوس کی امیری ہوس کی وزیری(12)

مشرقی ممالک کے سیاسی مسائل اسلامی جمہوریت میں پوشیدہ ہے۔ایسی جمہوریت جو گروہ بندی اور تفرقوں کو فروغ نہ دے اقبال نے روسو، نطشے اور ہیرلڈ لاسکی سب کے نظریہ جمہوریت پر تنقید کی۔ مغربی جمہور کو ملوکیت استحصال کا بہانہ قرار دیا ہے۔ یہ وہ طرز حکومت ہے جن کا چہرہ روشن اور باطن تاریک تر ہے۔

اقبال نے لکھا ہے:

''جب میں نے محسوس کیا کہ قومیت کا تخیل جو نسل و وطن کے امتیازات پر مبنی ہے۔دنیائے اسلام پر بھی حاوی ہوتا جاتا ہے اور جب مجھے یہ نظر آیا کہ مسلمان اپنے وطن کی عمومیت اور عالم گیری کو چھوڑ کر وطنیت اور قومیت کے پھندے میں پھنستے جاتے ہیں تو بحیثیت ایک مسلمان اور محب نوع کے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ میں ارتقائے انسانیت میں انہیں ان کے اصلی فرض کی طرف توجہ دلاؤں۔اس سے انکار نہیں کہ اجتماعی زندگی کی ارتقاء اور نشو و نما میں قبیلے اور قومی نظامات کا وجود بھی عارضی حیثیت رکھتا ہے اور اگر ان کی اتنی ہی کائنات تسلیم کی جائے تو میں ان کا مخالف نہیں ہوں لیکن جب انہیں انتہائی منزل قرار دیا جائے تو مجھے ان کے بدترین لعنت قرار دینے میں مطلق تامل نہیں۔''(13)

اقبال کے نزدیک ریاست اجتماعی زندگی کی تشکیل ترتیب اور تنظیم کا نام ہے۔ جس کا بنیادی مقصد انسانی معاشرے میں احکام خداوندی کا نفاذ کرنا ہے۔سیاست کسی بھی مملکت کا نظام چلانے کا طریقہ کار ہے۔ جس کے اسلامیانے کی ضرورت ہے۔

آج عالمی سیاست میں بالعموم اور بالخصوص مسلم دنیا اور مشرقی ممالک کی سیاست میں ایسے واقعات وقوع پذیر ہو رہے ہیں کہ صاحب نظر اور مخلص اہل سیاست مشرقی دنیا اور اسلامی ممالک کو ان بحرانوں سے نکال سکتے ہیں۔ مقصد واحد کی لگن، والا آدمی ہی سیاسی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتا، سلطنتیں قائم کرتا اور دنیا کو آئین عطا کرتا ہے۔

اقبال کا احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں کج روی سے محفوظ رکھتے ہوئے تاریخی قوتوں کا شعور دیا اور ہمارے تشخص کے مادی ظہور کے لیے ایک اسلامی ریاست کے قیام کا خاکہ دیا۔ان کے نزدیک یہ علاقائی وحدت ہمارے ملی وجود کی بقاء کے لیے انتہائی ضروری تھی۔اقبال کی فکری معنویت آنے والے سالوں اور صدیوں تک محیط ہو گی۔عہد حاضر کے منظر نامے کو اقبال نے آفاقیت کی روشنی میں دیکھا اور ان مسائل کا تجزیہ

کرتے ہوئے حل پیش کیا۔ ان کی فکر کا ماحصل یہی ہے کہ انسانیت مادیت کی بجائے روحانیت کو اصول کے طور پر اپنائے۔ اقبال ہر حال میں کائنات کی مادی تعبیر کی بجائے روحانی تعبیر کو نسل انسانی کی فلاح کا ضامن سمجھتے ہیں۔ اقبال کے افکار کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا اور ان سے استفادہ کرنا ہماری ترقی اور بقاء کی ضمانت دیتا ہے۔

حق و باطل کی آمیزش کی وجہ سے نظریہ حیات تعلیم نبوت اور حرمت رسول آج بھی باعث کشش ہیں۔

بقول اقبال:

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول (14)

یہ وہ صدی ہے کہ انسانی حیات کی تکمیل حضور کے اسوۂ کامل کے مطابق حضور کی امت کے ذریعے ہو گی۔ عالمی ارتقاء کے ناقابل مزاحمت ناقابل انسداد عمل کا نتیجہ یہ ہو گا کہ حضور کی امت پوری دنیا میں پھیل جائے گی۔ دیگر تمام قوتیں اس کی دائمی زندگی اور عظمت کے لیے راستہ ہموار کریں گے۔

اقبال نے بہت خوبصورت الفاظ میں لکھا ہے:

حادثہ وہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے (15)

مستقبل کا انسان بندہ مومن اور رحمۃ اللعالمین ﷺ کا امتی ہو گا۔ اور یہ اقوام عالم کو مستقل عالمی امن اور اتحاد کی نعمتوں سے ہمکنار کرے گا۔

رونق ہنگامہ ایجاد شو
در سواد دیدہا آباد شو
شورش اقوام را خاموش کن
نغمہ خود را بہشت گوش کن
ریخت از جور خزاں برگ شجر
جوں بہاراں بر ریاض ما گذر
نوع انساں مزرع و تو حاصلی
کاروان زندگی را منزلی (16)

زندگی کے حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان اور مشرقی اقوام چاہتی ہیں کہ فی الواقع دنیا کی وہ قوم ہونے کا اعزاز حاصل کریں جو کائنات کی حرکت ارتقاء اور ترقی کا مقصود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ہر قول و فعل کو جو تاریخ کے معیاروں کے مطابق

(حضور کا قول و فعل ثابت ہو چکا ہے) نہایت ادب و احترام اور عقیدت کے ساتھ اپنی نظریاتی زندگی کا راہ نما بنائیں۔

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو تیرے دل میں لا شریک لہٗ[17]

ضرورت اس امر کی ہے غیر اسلامی نظریات لادینی اور بے خدا نقطہ پیدا کرتے اداروں کا قلع قمع کریں۔ خدا اور رسول کے ارشادات کے حوالے سے کوئی مسئلہ در پیش ہو تو اجتہاد کر کے اسلام کی پوری تعلیمات اور اس کے احکام کی ساری علتوں اور حکمتوں سے باخبر اور آشنا ہوا جائے۔

حدیث بے خبراں ہے تو بازمانہ بساز
زمانہ باتونسازد تو بازمانہ ستیز[18]

مسلمان کائنات میں اعلیٰ مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ نظریہ حیات کی کاملیت کی بناء پر ممکن ہے کہ رسول ﷺ کی عملی زندگی کے نمونہ کو اپنا راہ نما قرار دیں۔ یہی حرمت رسول کی ایک شہادت اور ثبوت ہے۔

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو[19]

اسلام پاکیزہ دین ہے۔ اس کی بنیاد حب رسول ﷺ پر رکھی گئی۔ جس کے دل میں یہ محبت جتنی پختہ ہو گی اس کا ایمان بھی اسی قدر مضبوط ہو گا۔ اسی محبت کو پختہ تر کرنے کے لیے ہمیں حکم ہے کہ ہم رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔ خدا کی خوشنودی نبی ﷺ کی محبت میں پنہاں ہے۔

مختلف ذرائع ابلاغ دنیا بھر میں لوگوں کی آراء پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جن سے لوگوں کے نظریات اور ترجیحات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی مثبت یا منفی کسی بھی نوعیت کی ہو سکتی ہے۔

پروفیسر متین الرحمن کی رائے ہے:

"معاشرتی ادارے کے طور پر ایک طرف تو ذرائع ابلاغ تعلیم عامہ کا وسیلہ ہیں لیکن دوسری طرف یہی ذرائع ابلاغ عوام میں وسیع طور پر گمراہی اور غلط بیانی کی اشاعت کا امکان بھی بڑھا سکتے ہیں۔ یعنی ان سے سچائی یا جھوٹ دونوں کا کام لیا جا سکتا ہے۔ اس بات کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ذرائع ابلاغ معاشرے میں تبدیلی کا یقینی امکان تو مہیا کرتے ہیں۔ تاہم یہ تبدیلی اچھی یا بری دونوں طرح کی ہو سکتی ہے۔"[20]

موجودہ مسائل کے حل کے لیے یہ نظریہ بہت اہم ہے کہ ذرائع ابلاغ قومی نصب العین اور نظریے کی تشہیر و اشاعت کا فریضہ سرانجام دیں اور غیر رسمی تعلیم کا اہم ذریعہ ثابت ہوں۔ ذمہ دار صحافی کا فرض ہے کہ وہ حق و صداقت کے مطابق اطلاع دے۔

بقول اقبال:

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے[21]

رسائل واخبارات جو از خود چلتے پھرتے مدرسے ہوتے ہیں۔ یہ عمارتوں کی حدود اربعہ سے آزاد ہوتے ہیں اور کسی علاقے کی قید سے بالاتر ہو کر ہی لوگ ان کے ذریعے متفرق تہذیبوں سے واقف ہوتے ہیں۔ تعلیم و تربیت اصلاح و تبلیغ زیادہ تر انہیں سے مشروط ہوتی ہے۔ایسی صحافت سے خواص کی فکریں منظم ہوتی ہیں۔اسی صحافت سے بگڑی ہوئی زبانیں سدھرتی ہیں۔اسی سے فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔دور دراز کی اقوام ایک دوسرے کے قریب تر آجاتی ہیں۔اسی صحافت سے تاریخی واقعات و حوادث محفوظ ہو جاتے ہیں۔اسی صحافت سے تاریخ مرتب ہوتی ہے اور اسی صحافت سے پست ہمت قوموں میں بلندیٔ فکر پیدا ہوتی ہے۔

ذرائع ابلاغ ایسے ادارے ہیں جو پوری دنیا میں کسی سیاسی عمل کے استحکام یا تنسیخ کے لیے مصر ہیں۔ بظاہر اخبارات و دیگر نشریاتی ادارے ریاست کے کنڑول میں ہوتے ہیں بلواسطہ حکومت کے تصرف میں ہوتے ہیں ہر حکومت انہیں ریاستی مفادات کی قیمت پر اپنے مفادات و مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ یہ ابلاغ ہی قوت محرکہ ثابت ہوتے ہیں جس کے سبب دنیا کی مختلف تہذیبیں سیاسی، مذہبی، علمی، تہذیبی و ثقافتی اور تمدنی انقلاب پیش کرتی ہیں۔ایسے پروگرام ہمارے نظریے، مقاصد اور رویوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ معصوم نسلوں کا رشتہ کتاب سے کمزور اور معیار تعلیم پست کرنے کا سبب بنتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ نوعمر افراد سماجی اقدار کی قدر و قیمت سے نابلد رہ جاتے ہیں۔

ہمارے قومی زاویے نظر و عمل، اہداف، مقاصد، آدرش، مشاہیر اور سب سے بڑھ کر قومی نظریے خاک میں مل رہے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ذرائع ابلاغ اور اداروں کا معیار پیش کش مثبت اور بہتر کیا جائے۔ معلومات کے بے جا بہاؤ پر بند بنائے جائیں اور بیرونی جارحیت پر مشتمل پروگراموں کی نشر و اشاعت پر پابندی لگائی جائے۔

ذرائع ابلاغ نے جو تفریح فراہم کی ہے وہیں مادہ پرستانہ رجحانات کو فروغ دیا ہے۔ شہروں کی تبدیلی، رہائش گاہوں سے ہجرت کا ذوق، کھیلوں میں عدم دلچسپی، فیشن کا اندھا رجحان، کتب بینی اور مطالعہ کے ذوق میں کمی پرنٹ میڈیا پر عریانیت اور تذلیل نسواں ہماری ثقافت اور تہذیب کے منافی ہیں۔

بقول اقبال:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا[22]

میڈیا کا کذب و افترا، دروغ بیانی، جھوٹ کی ملمع کاری اور بے ہودگی کی تشہیر ایسے ہی نکات ہیں جو نزاعی صورت اختیار کرتے ہیں۔ ہمارے میڈیا مغربی آلہ کار بن گئے ہیں۔ مغربی تہذیب کی پیروی سے احتراز ضروری امر ہے۔

میڈیا سے منسلک اور وابستہ افراد کے لیے ضروری ہے وہ ضابطہ اخلاق کی مکمل پابندی کریں اور معاشرے کی فلاح و ارتقاء اور بقا کے لیے تعمیری

اور مثبت کردار ادا کریں۔ علمی مباحث، فلاح عامہ کے پروگرام اور مذہب و ادب کی سرگرمیوں کی تشہیر کریں۔ فحاشی کی اشاعت سے اجتناب کریں اور مسلمان ہونے کا حق ادا کریں۔

اقبال شاعر اور فلسفی دونوں حیثیتوں سے ''دیدہ بینائے قوم'' تھے۔ انہوں نے بلاشک و شبہ ثقافت کے طبیب کا فرض ادا کیا اور اجتہادی گہرائیوں کو دوبارہ حاصل کرکے ایک نئے علم الکلام کی تعمیر اسلامی فقہ کی ایک نئی تفسیر اور الٰہیات اسلامیہ کی از سر نو تشکیل پر زور دیا اور تعلیم کو ان مقاصد کے حصول کا واحد ذریعہ قرار دیا۔

اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا
ہے خون فاسد کے لیے تعلیم مثل نیشتر (23)

فکر اقبال کی معنویت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ علم جو خدا اور خودی کے اس تصور سے جو کائنات میں اور تمام علوم میں کلیدی اور مرکزی مقام رکھتا ہے وہ اس سے بے تعلق ہو تو بے ربط اور بے معنی افکار کے کھیل کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

علم کو از عشق برخوردار نیست
جز تماشہ خانہ افکار نیست (24)

مغربی سائنس دان کا علم مظاہر قدرت کے مشاہدہ پر تو مبنی ہے مگر مشاہدات بصیرت سے محروم ہیں۔ اقبال علم کے ساتھ بصیرت کو ہمکنار ہونے کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ یہی علم کے مسائل کے حل میں اہم عملی اقدام ہے۔

وہ علم بصری جس میں ہمکنار نہیں
تجلیات کلیم و مشاہدات حکیم (25)

افسوس ناک بات ہے کہ علوم کی درسی کتب جو ہمارے تعلیمی اداروں میں مستعمل ہیں۔ ان سب کی مغربی تدوین کائنات و انسان اور علم کے مغربی نقطہ نظر پر مبنی ہیں۔ مغربی فوقیت ہمارے ہر شعبہ زندگی میں نافذ العمل ہے۔

اقبال نے اسی حوالے سے لکھا ہے:

مشو ایمن از اں علمے کہ خوانی
کہ از روئے روح قومے را تواں کشت (26)

مواد نصاب مغرب کے حکمائے طبیعات کے بے بنیاد عقیدہ پر مبنی ہے کہ صداقت وہی ہے جس کو ہم براہ راست اپنے حواس خمسہ سے دریافت کر سکتے ہیں۔ وہ یا تو موجود ہی نہیں یا اگر موجود ہے تو معدوم کے حکم میں ہے۔ یہ عقیدہ طبیعاتی علوم کا ہی نہیں بلکہ تمام حیاتیاتی اور انسانی علوم کا ہے۔ اس عقیدہ میں عملی طور پر خدا کا انکار مضمر ہے اور ذرا وسعت دی جائے تو اس کی بنا پر انسانی خودی اور اس کی پسندیدہ اقدار کا بھی انکار کرتا ہے۔

اگر مغربی سائنس دان ایٹم کے آثار و نتائج کے مشاہدہ سے ایٹم کو ایسی سائنسی حقیقت سمجھتے ہیں تو مظاہر قدرت میں خداوند کریم کے وجود کے آثار و نتائج کے مشاہدہ سے خدا کو سائنسی حقیقت کیوں نہیں مانتے۔اس کی وجہ خدا کے تصور سے وہی ڈر ہے جو کلیسا کی سائنس دشمنی سے پیدا ہوا تھا اور آج تک جاری ہے۔اسی ڈر کی وجہ سے وہ اب بھی اس آشکار حقیقت کا اعتراف کرنے سے گریزاں ہے کہ مظاہر قدرت میں خدا کی ہستی و صفات بالا کا جلوہ نظر آتا ہے۔

اقبال کی فکر ایک ہمہ گیر تعلیمی انقلاب کی تمنائی ہے۔ معاصر تعلیمی نظام، شعور ذات پیدا کرنے کے بجائے ابہام اور گمشدگی، ظلمت اور ضلالت کا مؤید تھا اور آج بھی ہے۔ چنانچہ اقبال مکتب کے ناقص اور فرسودہ طریق تعلیم کو بھی ہدف تنقید بناتے ہیں۔ وہ اس میں مثبت تبدیلی مسائل کا حل سمجھتے ہیں۔

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام
مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط نظام
مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطیِ افکار سے مشرق میں غلام (27)

اقبال نے مسلمانوں کو اسلام کے مرکز کے قریب لانے کا ایک حل پیش کیا ہے۔ مقالاتِ اقبال میں اقبال نے لکھا ہے:

"نیا مثالی دار العلوم قائم کیا جائے۔ جس کی مسند نشین اسلامی تہذیب ہو اور جس میں قدیم اور جدید کی آمیزش عجب دلکش انداز میں ہوئی ہو۔ اس قسم کی تصویر خیالی کھینچنا آسان کام نہیں ہے۔اس کے لیے اعلیٰ تخیل زمانے کے رجحانات کا لطیف احساس اور مسلمانوں کی تاریخ اور مذہب کے مفہوم کی صحیح تعبیر ضروری ہے۔"(28)

اقبال نے مسلمانوں اور مشرقی ممالک کی عوام کو علوم جدیدہ کی ترقی کے ساتھ چلنے کی تاکید کی ہے۔ تاہم اس حوالے سے قومی تعلیم کا مرکز قرار پانے والی جامعات کا قیام عمل بھی ناگزیر ہے۔

فکر اقبال سے مترشح ہے کہ وہ خودی کی نشو و نما، انفرادی خودی کی تربیت، اجتماعی خودی کی تربیت، فکر دینی کی تعمیر، فقہ اسلامی کی تعمیر نو اور علم الکلام کی تعمیر نو کے حامی ہیں۔

اقبال نے تغیر اور تعلیم کے حوالے سے معاشرتی تعلیم، معاشرہ اور ثقافت، ایثار کی تعلیم، فطری آزادی کی تعلیم، توحید و رسالت کے تصورات کی تعلیم اور فنی تعلیم کے نظریات کا دفاع بھی کیا ہے۔

اقبال نے شعبہ تعلیم اور مسائل تعلیم کے حل کے متعلق جو نظریہ پیش کیا وہ اقبال کا نظریہ ابدیت ہے۔ تعلیم کا مقصد معاشرے کی بقا اور

استحکام ہی نہیں بلکہ نمو اور ترقی بھی ہے۔ مستحکم معاشرے کی اساس بے شک قانون الٰہی ہے جو روحانی ہے اور ابدی بھی۔ لیکن اس کے باوجود جامد نہیں ہے۔ اس کی روحانیت اور ابدیت جہاں استحکام میں جلوہ فگن نظر آتی ہے وہاں تغیر و تنوع میں بھی جلوہ افروز ہے۔

اقبال نے تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ میں لکھا ہے:

''جس معاشرے کی بنیاد حقیقت مطلق کے اس تصور پر ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ثبات اور تغیر دونوں خصائص کا یکساں طور پر لحاظ رکھے۔ اس کے پاس ضرور کچھ ایسے ابدی اصول ہونے چاہئیں جو اجتماعی زندگی میں نظم و ربط قائم رکھیں۔ کیونکہ ہر آن بدلتی ہوئی اس دنیا میں ہم اپنا قدم مضبوطی سے جما سکتے ہیں تو ان ہی کی بدولت یہ ابدی اصول و تبدل کے امکانات کا بالکل ختم نہیں کر دیتے کیونکہ تغیر قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانی ہے جسے نظرانداز کر کے ہم اس شے کو جس کی فطرت ہی حرکت ہے، حرکت سے عاری کر دیں گے۔''(29)

تعلیمی مسائل کے حوالے سے ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسا نظام تعلیم ترتیب دیا جائے جو روزگار کی ضمانت دے سکے۔ مشرقی اور مسلم ممالک میں زندگی کے ہر شعبے میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اسلامیانے کے عمل کو جدیدیت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے لازم ہے کہ قانون سازی کے عمل میں قانون کی تعلیم کے اداروں میں نصاب پر توجہ دی جائے۔

قانون کے نصاب میں فلسفہ اور عمرانیات کی تعلیم از بس ضروری ہے۔ اتحاد کی فضا کو پروان چڑھانے کے انسان ایک تخلیقی ہستی ہے۔ ارتقا اور انقلاب اس کی زیست کے اہم عناصر ہیں مگر ان عناصر کی پرورش ایک درجہ بدرجہ ترقی کی جانب گامزن نظام تعلیم ہی کر سکتا ہے۔ زماں و مکان کی قوتوں کا احاطہ کرنے والے نظام تعلیم کی بنیاد تخیل اور تجربے کی آزادی پر ہوتی ہے۔ ماہرین تعلیم پر واجب ہے کہ وہ حرکی اصولوں پر مبنی معاشرے کے مستقبل کی مناسبت سے نظام تعلیم کی تعمیر کریں جو افراد کو اختیار کی حدود تک پہنچنے کے قابل بنا دے۔ نظام تعلیم کی بنیاد اجتہاد پر نہیں تو مسائل کا حل بھی تلاش نہیں کیا جا سکتا۔

وہ قوم جو علم و تحقیق کے میدان میں آگے نہیں بڑھتی زندگی کے کسی بھی شعبے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ''اقبال کا فلسفہ تعلیم'' اس عمل کی ابتدا کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

عشق اب پیروی عقل خداداد کرے
آبرو کوچۂ جاناں میں نہ برباد کرے
کہنہ پیکر میں نئی روح کو آباد کرے
یا کہن روح کو تقلید سے آزاد کرے (30)

حرف آخر فکر اقبال سے یہ نتیجہ اخذ کرنا قرین انصاف ہو گا کہ ہمیں نظام تعلیم میں انعطاف (Spectrum) کے دونوں جانب سے نظام کو مدبر اور موثر بنانا ہو گا ایک جانب تعلیم عامہ کو سرفہرست رکھنا ہو گا تاکہ ملک میں معاشی و معاشرتی یک جہتی اور استحکام پیدا ہو جس سے

جمہوری اقدار کو فروغ اور ترقی ملے۔ دوسری جانب یونیورسٹیوں، جامعات اعلیٰ تحقیقی اداروں پر توجہ دینی ہو گی کہ تحقیق سے تخلیق اور دونوں کی متحدہ قوت سے اجتہاد کے دروازے کھل سکیں۔ ورنہ ان جامعات اور اداروں میں تخلیق کا عمل ملتوی ہوتا رہے گا اور یہ درست ہے کہ تخلیقی و تحقیقی ارتقاء کے بغیر قومیں ترقی نہیں کر سکتیں۔ آج مسلم ملتیں اسلامی اصولوں سے نہیں بلکہ اسلامی تاریخ سے پہچانی جاتی ہیں۔ دنیا کے ایک ارب سے زائد مسلمانوں پر بے جا جبر، ظلم و ستم اور استحصال کا شکار ہیں اور آزادی کے باوجود فکری آزادی حاصل نہیں کر سکے۔ اربوں دیے جلنے کے باوجود روشنی نہیں ہے۔

اگر مشرقی ممالک اجتہاد کی اہمیت اور نظام تعلیم کے ارتقاء کی ضرورت کو مشروط کر لیں تو ممکن ہے دنیائے اسلام کے مجتہدین جس معاشرتی و عمرانی انقلاب کے داعی تھے۔ وہ اب قائم ہو جائے اور یہ انقلاب سب سے پہلے تعلیمی نظام کے انقلاب کا محتاج ہے۔

اقبال آفاقی فکر رکھنے والے انسان ہیں۔ ان کی فکر کی اساس فلسفہ حیات پر ہے جو عالمگیر حیثیت رکھتی ہے۔ نہ صرف مسلمان بلکہ عالم انسانیت کے لیے رحمت و فلاح کا راستہ ہے۔ اقبال کی شاعری اور تخلیقات صرف مسلمان، خاص طبقہ، خاص قوم اور کسی خاص خطے کے افراد کے لیے نہیں ہیں۔ ان کے کلام کی آفاقیت ازلی و ابدی ہے۔

اقبال انسانی ارتقاء کے راستے کی ہر رکاوٹ کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ انسان کے ذہن سے خوف، موت اور ہلاکت کا تصور مٹا دینا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک اصل چیز اور اصل قوت زندگی کے مقاصد ہیں۔ وہ مقصد کے سفر میں موت و حیات دونوں سے بے نیازی کا احساس اور جذبہ انسان کے اندر پیدا کرنے کے خواہاں ہیں۔

اقبال نے لکھا ہے:

حیات و موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود (31)

اقبال شاعر مشرق، نقاش فطرت، مفکر پاکستان اور حکیم الامت ہیں۔ ان کی آواز واقعی بانگ درا ہے جو نہ صرف اس دور میں بلکہ آنے والی صدیوں میں بھی صحیح سمت رواں کی شناخت عطا کرنے والی ہے۔ ان کی فکر نئے جہان کو وا کرنے والی ہے۔ عصر جدید میں اقبال کی فکری و عصری اور تاریخی معنویت کل سے زیادہ ہے۔ بجا طور پر اقبال کو آنے والے کل کا شاعر اور مفکر بھی کہا جاتا ہے۔

ژرف نگاہی، نور معرفت، بصیرت و استدلال، قرآن کریم اور اسلامی ضابطہ حیات کے عمیق مطالعہ سے انہوں نے ایسا مقام حاصل کر لیا جہاں کھڑے ہو کر وہ تمام عالم انسانیت اور بالخصوص عالم اسلام پر نظر ڈال سکتے تھے۔

اقبال کا شعور قدرتی طور پر ان بہت سے لوگوں سے زیادہ بیدار تھا جو اس سے پہلے گزر چکے تھے۔ عالم اسلام کا مرد خود آگاہ اور علم و دانائی کا درخشندہ آفتاب ۱۹۳۸ء میں ہمیشہ کے لیے غروب تو ہو گیا مگر اس کی دائمی کرنیں زندگی اختیار کر گئیں اور آج بھی ان کی فکر سے راہنمائی، بصیرت اور فیضان کشید کیا جا رہا ہے۔

انسانی تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ مذہب سے دوری انسان کو اخلاقی پسماندگی اور تباہی مائل کر دیتی ہے۔ بلکہ خود مادی وسائل کے بے جا استعمال سے وہ توازن برقرار نہیں رکھ سکتا اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوت واقتدار میں اضافہ خیر وصلاح، نیکی و فلاح اور بہبود انسانی کے لیے اضافے کا باعث نہیں بنتا۔ علامہ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ اس لیے اقبال نے مشرقی ممالک کے مسائل کو مد نظر رکھا اور انہیں قرآنی تعلیمات اور اسوۂ رسول ﷺ سے رہنمائی اور رہبری حاصل کرنے کی تاکید کی ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا(32)

زندگی کی تاریکی مذہب کی روشنی سے دور ہو سکتی ہے۔ اقبال کی حکیمانہ نظر نے محسوس کر لیا تھا کہ حضرت انسان چاند پر جا کر کائنات کو تسخیر کر لے گا لیکن انسانی رویوں سے غافل رہے گا۔ اقبال نے سائنس کی ترقی میں پیش آنے والے واقعات و حادثات کا ذکر بلیغ انداز میں کیا ہے۔ ان ارشادات کی صداقت کے حق میں ہر آنے والا دن جواز پیش کر رہا ہے۔

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں(33)

اقبال کی فکر اور ایک پیش گوئی ایٹم یعنی ذرہ کی حقیقی قوت، طاقت اور حیثیت کے انکشاف کے بارے میں ہے۔ ماضی میں اسے زیادہ سے زیادہ فلاسفر کی خیال آرائی قرار دیا گیا مگر یہ ایک پیش آنے والی حقیقت کی ابتدا تھی۔

۶ تا ۹ اگست ۱۹۴۵ء میں ایٹم بم کے ساتھ میں جاپان کے خوبصورت شہر ہیروشیما، ناگاساکی کی تباہی ہوئی۔ جبکہ ۱۹۶۷ء میں حضرت انسان نے چاند پر قدم رکھ لیا۔ اقبال کی فکر کی تاریخی معنویت ثابت ہو گئی کہ سورج کی شعاعوں اور کائنات کو تسخیر کرنے والا انسان اپنی زندگی کو اپنے اعمال سے تاریک کر گیا۔

مشرقی ممالک نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبہ میں ترقی کی اور مغربی ٹیکنالوجی سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سائنس کی ترقی کے ساتھ انسان مادہ پرست ہو گیا ہے۔ روحانی اقدار کا نام و نشان بتدریج مٹتا گیا۔ اس ترقی نے زمان و مکان کے نظریے بدل دیے۔ راکٹوں اور میزائلوں کے ذریعے آسمانوں تک دسترس ہو گئی۔ مشینوں کی ایجاد نے انسان کو مادی سہولیات سے ہمکنار کر دیا۔ اس کے باوجود اسے ذہنی آسودگی اور اطمینان قلب میسر نہیں آسکا۔

سائنس اور ٹیکنالوجی نے انسان کو ہواؤں میں اڑنا سکھادیا لیکن زمین پر رہنا نہیں سکھایا ہے۔

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم نے لکھا ہے:

''اقبال خودنگری، خودشناسی اور خودآگہی کے آداب سمجھا سکھا کر آزاد پروقار اور باعزت زندگی کی راہ دکھلاتے ہیں۔ وگرنہ انہیں اس بات کا بخوبی احساس تھا۔ کہ اس پرواز سے کیا فائدہ جو انسانیت کو حیوانیت کے مقام پر کھڑا کر دے اور اس پرواز کی علت کیا جو مریخ پر پہنچنے کے بعد بھی انسانی زندگی کی شب تاریک کو سحر نہ کر سکے اور زندگی کو مزید مسائل کی دلدل میں دھکیل دے۔''(34)

امریکی ماہرین اقتصادیات نے ایک رپورٹ تیار کی ہے جس کے مطابق ایک خلائی جہاز کی تیاری میں اتنا خرچ آتا ہے جس سے زمین کی پوری آبادی کئی برس تک فکر معاش سے آزاد رہ سکتی ہے۔ یہ انسانی معیشت پر اتنا بوجھ ہے کہ پوری عالم انسانیت کانپ اٹھتی ہے۔

فکر اقبال سے مترشح ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی میں جو تبدیلیاں آرہی ہیں وہ ذرائع اور وسائل کی دنیا میں اہم ہیں۔ مقاصد، اصول اور اخلاق کی دنیا میں اہم نہیں۔ زمان و مکان کی رکاوٹیں دور ہو رہی ہیں اور انسان کا اقتدار بڑھ رہا ہے مگر اس تبدیلی کا یہ تقاضا ہرگز نہیں کہ مقاصد زندگی، اصول و اخلاق اور اقدار حیات کو بھی تبدیل کر دیا جائے۔

اقبال نے اسی حوالے سے لکھا ہے:

''زمانہ حال میں کسی جماعت کا محض مقامی قوتوں سے نشو و نما پانا محال ہے۔ ریل اور تار نے زمان و مکان کے پردے کو درمیان سے اٹھا دیا ہے اور دنیا کی مختلف قومیں جن میں پہلے بعد المشرقین حائل تھا۔ اب پہلو بہ پہلو بیٹھی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس ہم نشینی کا نتیجہ یہ ہونے والا ہے کہ بعض قوموں کی حالت بدل کر رہ جائے گی اور بعض قومیں بالکل ملیامیٹ ہو جائیں گی۔''(35)

اقبال کے مطابق جدید تہذیب کی تفریق کی بنیاد عقلیت و مادیت پر ہے جو دوسری جانب سائنس اور ٹیکنالوجی کا عروج ہے۔

عصر حاضر را خرد زنجیر پاست
جان بے تابے کہ من دارم کجاست (36)

مغرب نے سائنسی علوم کے مقابلے میں بشریاتی علوم کو نظر انداز کر کے بے روح، سفاک اور مشینی معاشرت کو جنم دیا ہے اس میں انسانیت اور روحانی اقدار کا دم گھٹتا ہے۔

اقبال نے اسی صورت حال کی عکاسی کی ہے:

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات (37)

مادی ترقی و مادی ایجادات، سائنس، ٹیکنالوجی اور علوم جدیدہ اسلام کا لازمی جزو ہیں۔ بلکہ اسلامی تہذیب جہاں بھی قائم ہو گی وہاں کے مادی وسائل و امکانات کا پورا استعمال کرے گی اور جہاں یہ امکانات موجود نہ ہوں گے وہاں خود یہ امکانات مہیا کرے گی اگرچہ اپنے بنیادی اصولوں اور اقدار پر قائم ہو۔

اقبال کے نزدیک ادب فلسفہ جدید سائنس کے میدانوں میں یورپی کلچر کو کئی اعتبار سے اسلامی تمدن کی توسیع کہا جا سکتا ہے۔ مذاہب، فلسفہ طبیعات اور دیگر علوم و فنون مختلف راستے ہیں جو ایک ہی منزل مقصود پر ختم ہوتے ہیں۔ مذہب اور سائنس کے تصادم کا خیال اسلامی نہیں کیونکہ سائنس اور علوم جدیدہ کے باب کھولنے والے اوّلین مسلمان ہی ہیں۔

اقوام مشرق کے لیے اقبال علم کی تحصیل ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان مغرب سے مستفید ہو کر سائنس اور ٹیکنالوجی کا حصول ممکن بنائیں اور اپنے ایمان کی بنیاد پر مشرق و مغرب دونوں کے امتزاج سے افضل تہذیب و تمدن پیدا کر سکیں۔ وہ ترک دنیا کی بجائے مسلمانوں کو متوازن راہ دکھاتے ہیں۔ وہ مغربی علوم و فنون اور مغربی سائنس کو مومن کا گمشدہ مال سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کو نئے انکشافات ہر آن نئی ایجادات سے ثروت مند ہونے کی تلقین کرتے۔

اقبال بے حد خوش ہوئے کہ جب مسلمان علم و حکمت اور ایجاد و اختراع کے میدان میں پانچ صدیوں کی غفلت کی تلافی کے لیے نکلے وہ ہر شے کی اندرونی سطح اور روح تک رسائی حاصل کرنے کے داعی ہیں۔

اقبال نے حقیقت روشن تر کر دی کہ مغرب کی قوت کا راز چنگ و رباب میں نہیں اور نہ لادینی طرز حیات میں ہے۔ اس کے برعکس مغرب کی اصل طاقت علم و فن اور حکمت و ہنر میں پوشیدہ ہے۔ اس لیے ہمیں مغربی سائنس اور ٹیکنالوجی سے اخذ و اکتساب کرنا ہو گا۔ ہمیں مغربی تہذیب کی باطنی روح سے دوستی کرنا ہو گی۔ مغربی علم و حکمت سے اکتساب اپنی ہی آتش رفتہ کا سراغ پانے اور اپنے ہی کھوئے ہوئے معیار و اقدار کے سراغ کا عمل ہے۔ اس عمل میں ہمیں تقلیدی روش اپنانے کی بجائے صاحبِ ایجاد بننا ہو گا اور اس کے ساتھ اسلامی ضابطہ حیات کا دامن تھامنا بھی ناگزیر عمل ہو گا۔

حوالہ جات

1. Iqbal Stray Reflections Iqbal, Academy Pakistan Lahore, 1987, P:210

2. محمد اقبال، کلیات اقبال (اُردو)، ص ۴۲۲

3. ایضاً، ص ۱۷۹

4. ایضاً، ص ۷۶

5. ایضاً، ص ۱۷۷

6. اقبال، تجدید فکریات اسلام، ص ۱۸۴

7. محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۷۶۶

.8 ایضاً، ص ۴۳۷

.9 محمد اقبال، مقالاتِ اقبال، مشمولہ: معارف اعظم گڑھ اکتوبر ۱۹۳۱ء، ص ۲۸۶

.10 محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۲۱۷

.11 اایضاً، ص ۱۳۸

.12 کلیات اقبال اردو، ایضاً، ص ۳۹

13. Iqbal, speeches writing and statements of Iqbal.

.14 محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۲۷

.15 ایضاً، ص ۵۰۴

.16 محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۱۴۸

.17 محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۱۴۷

.18 محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۲۵۱

.19 ایضاً، ص ۶۲

.20 متین الرحمٰن مرتضیٰ، پروفیسر، قومی ابلاغی حکمت عملی کی ضرورت، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۳۲۴

.21 محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۷۸

.22 ایضاً، ص ۶۰۸

.23 ایضاً، ص ۱۰۲

.24 محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۳۰

.25 محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۴۲۱

.26 محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۵۱

.27 محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۹

.28 سید عبدالواحد معینی (مرتب) مقالاتِ اقبال، ص ۱۳۵

.29 محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۱۴۷

.30 محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۵۷

.31 ایضاً، ص ۵۱

.32 ایضاً، ص ۳۶۱

.33 ایضاً، ص ۲۴۹

.34 ہارون الرشیم تبسم ڈاکٹر، فکر اقبال میں انسانی مسائل کا حل، جہلم، بک کارنز، ۲۰۱۸ء، ص ۱۳۶

.35 محمد اقبال، مقالات اقبال، ص ۱۷۷۔۱۷۸

36. محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۵۹۷

37. کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۷۱

Reference

1. Iqbal Stray Reflections Iqbal, Academy Pakistan Lahore, 1987, P:210
2. Muhammad Iqbal , koliyat Iqbal (urdu),P-422.
3. Ibid, P-179
4. Ibid, P-76
5. Ibid, P-177
6. Iqbal, tajida fikriyat islam, P 186
7. Muhammad Iqbal, koliyat Iqbal (Persion), P 766
8. Ibid , P 73
9. Muhammad Iqbal, Moqaliyat Iqbal, Masmola: Moarif Azam Ghar october 1931,P 686.
10. Muhammad Iqbal, Koliyat Iqbal (Persion) ,P 617
11. I ibid P 138
12. Koliyat Iqbal Urdu, Ibid P 39.
13. Iqbal, Speeches writing and statements of Iqbal.
14. Muhammad Iqbal, Koliyat Iqbal (Urdu) P,27.
15. Ibid P 504
16. Muhammad Iqbal, Koliyat Iqbal (Persion), P 148
17. Muhammad Iqbal, Koliyat Iqbal (Urdu), P 147
18. Muhammad Iqbal, Koliyat Iqbal (Persion), P 251
19. Ibid, P 62
20. Moteen Arhman Murtaza, Professor, Qomi Iblagi Akmat Amli k zaroorat, Lahore:Olo qarpublic Kasiz, 2012, P324
21. Muhammad Iqbal, Kolilyat Iqbal (urdu)P 378
22. Ibid P,608
23. Ibid P,102
24. Muhammad Iqbal, Koliyat Iqbal (persion) P 30.
25. Muhammad Iqbal, Koliyat Iqbal (urdu) P 621
26. Muhammad Iqbal, Koliyat Iqbal (persion) P 51.
27. Muhammad Iqbal, Koliyat Iqbal (urdu) P 39.
28. Syed Abdul wahad moaiyani (martab) moqaliyat Iqbal P 135.
29. Muhammad Iqbal, Taskil jadide al-Hayat islamiya P 147
30. Muhammad Iqbal, Koliyat Iqbal (urdu) P 57.
31. Ibid P,51
32. Ibid P,361
33. Ibid P,249
34. Haroon Irasheed Tabasum Doctor, Fikar Iqbal may insani masiyal k hal, jahlum , book krar 2018, P136.